⊙ ڈاکٹر رخسانہ بلوچ
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی فیصل آباد

فیضؔ کی معنویت: فکری وفنی تناظر میں

Abstract:

Faiz Ahmad Faiz is ranked among highly significant modern poets of Urdu. Faiz's poetry has been extensively studied and sufficiently comprehended. The general emphasis of existing literature remained focused on Faiz's thought. Still there are multiple dimensions of Fai's artistic skill which necessitate adequate scholarly attention. An attempt has been initiated in this research paper to explore some of the multiple dimensions related to the exquisite article skills of Faiz.

Keywords:

Faiz Poetry Contemporary Revolutionary Dimensional

بیسویں صدی کی دو عالمی جنگوں نے جہاں معاشرتی سطح پر بہت سے تبدلیاں پیدا کیں وہاں سیاسی اور نظریاتی سطح پر بھی جوار بھاٹا کا باعث بنیں، ایسے میں ادب میں بھی تموج ہوا اور اردو ادب کے افق پر اور بہت سے شعرا اور ادباء کے ساتھ ساتھ فیض بھی ابھرے۔ فیض کی معنویت کی دو سطحیں ہیں، پہلی فکری اور دوسری فنی۔ پہلے فکری سطح پر بات کرتے ہیں۔ اردو کی کلاسیکی شاعری حسن وعشق سے عبارت ہے، آنند وردھن نے جس نظریہ رس دیا اس میں جذبات کی دس اقسام ہیں، پہلا رس شرنگار رس، یعنی رتی، محبت کا جذبہ ہے، یہ جذبہ حسن وعشق سے متعلق ہے، انگریزی ادب میں اسے رومانیت سے جوڑ سکتے ہیں، رومانیت صرف حسن وعشق سے متعلق ہی نہیں ہوتی بلکہ فطرت سے وابستگی کے رویے میں بھی ظاہر ہوتی ہے، یہ یاد ماضی سے بھی وابستہ ہے اور نادیدہ بستیوں کی تلاش سے بھی متعلق ہے۔ رومانیت کا تعلق دراصل جذبات و احساسات اور تخیلات سے بھی ہے۔ وزیر آغا لکھتے ہیں:

> ''رومانی تحریک ایک وسیع تر شئے ہے، جو یقیناً جوانی کے معاشقے تک محدود نہیں۔ رومانی تحریک تو ایک تخلیقی ابال کے تحت پامال راستوں کو ترک کرنے اور فرسودہ ڈھانچوں کو توڑ پھوڑ کر نئی قدروں کی تلاش میں ہونے کا ایک عمل ہے۔''(۱)

گویا جدید نظریات نے حسن وعشق کے روایتی تصور کو بدل دیا، رومانیت کا تصور اپنے اندر تجسس کا مادہ رکھتا ہے

، چوں کہ برصغیر کی تاریخ میں بھی یہ زمانہ انتشار اور کھلبلی کا زمانہ تھا جس نے سیاسی اور سماجی سطح پر ہی نہیں۔ ذہنی اور نفسیاتی سطح پر ایک ہیجان پیدا کیا۔ دوسرا دو عالمی جنگوں کی پیدا کردہ تباہی اور بدامنی نے مروجہ سامراجی نظام کے خلاف غم و غصے کے جذبات ابھارے۔

فیض کی ابتدائی رومانی نظموں میں بھی اس کلاسیکی روایت کے نقوش دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ نظمیں ان کے جذبات اور احساسات کا اظہار ہیں۔ جو نوجوانی کے دنوں میں رگ و پے میں چراغاں کرتے ہیں۔ ان میں انتظار، سرود شبانہ، خدا وہ وقت نہ لائے، میری جان اب بھی اپنا حسن واپس پھیر سے مجھ کو، اور یاس وغیرہ اس کی چند مثالیں ہیں۔ وہ خارجی حقیقتوں سے گھبرا کے ایک خیالی دنیا آباد کرتے ہیں۔ یہ دنیا رومانی دھندلکوں کی دنیا ہے، جہاں ایک بے قرار عاشق اپنی محبوبہ کا انتظار کرتا ہے، اور اس کی یادوں سے اپنے لمحوں کو آباد کرتا ہے۔ ایسے میں اس کی محبوبہ کی شخصیت کے خوب صورت نقوش ابھر کر سامنے آتے ہیں:

تہِ نجوم:

چھلک رہی ہے جوانی ہر اک بن مو سے
رواں ہو برگ گل تر سے جیسے سیل شمیم

☆

سیاہ زلفوں میں وارفتہ نکہتوں کا ہجوم
طویل راتوں کی خوابیدہ راحتوں کا ہجوم

فیض کے یہاں ابتدا میں رومانی عناصر عشقیہ موضوعات تک محدود رہے لیکن آگے چل کر ان میں وسعت اور تنوع پیدا ہو گیا۔ محبت کے درد نے انھیں غریبوں اور مزدوروں سے محبت کرنا سکھائی۔ ان کے دل میں اجتماعی درد کا احساس عشق و محبت کی کسک نے ہی پیدا کیا۔ انھوں نے محبت کے ساتھ ساتھ احساس دل، شاعر کی حیثیت سے سسکتی ہوئی انسانیت کے کرب کو محسوس کیا ہے۔ دراصل فیض کی رومانیت اس بات میں پوشیدہ ہے کہ وہ حقیقت کا سامنا کر کے اسے خواب میں منتقل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جب وہ حقیقت کا سامنا کرتے ہیں تو ان کے یہاں ایسے نادر لمحے بھی آتے ہیں، جب خارجی حقیقتوں کا تاثر ان کے کلام میں شخصیت کی تخیل کاری اور حسن پرستی کو متحرک کرتا ہے۔ اور جو اشعار معرض وجود میں آتے ہیں، وہ ان کے رومانی رویے کی غمازی کرتے ہیں۔ انھوں نے رومانیت کو اپنے عہد کی سیاسی کشمکشوں اور سماجی مسائل سے ہم آہنگ کیا۔ خارجی اور داخلی تجربات کی یہ ہم آہنگی اردو شاعری میں ایک نئے اور درخشندہ باب کا اضافہ کرتی ہے۔ یہ اردو کی رومانی شاعری میں بالکل نئی اور نادر چیز تھی۔

اشتراکی حوالے سے دیکھیں تو ہندوستان بھی اشتراکی نظریات سے پوری شدت سے متاثر ہوا۔ یہ ملک اس زمانے میں اشتراکی خیالات کی نشو ونما کے لیے سازگار فضا رکھتا تھا۔ ہندوستانی صدیوں کی غلامی کی نیند سے بیدار ہو چکے تھے۔ برطانوی سامراج کے استحصال کے خلاف شدید نفرت کا اظہار کیا جا رہا تھا۔ نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقہ بین الاقوامی سطح پر رونما ہونے والے واقعات سے متاثر ہو رہا تھا۔ ادیبوں اور شعرا نے بھی ان خیالات کا گہرا اثر قبول کیا اور وہ زندگی، سماج

وادب میں انقلاب لانے کے خواب دیکھنے لگے۔ خلیل الرحمٰن اعظمی لکھتے ہیں:

''اردو ادب کی یہ ولولہ انگیز تبدیلیاں نوجوان تعلیم یافتہ طبقے کو آزادی، مساوات، بغاوت اور انقلاب کے تصور سے سرشار کررہی تھیں۔ اور قدیم اخلاق وعقائد کے بندھنوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کا خیال عام ہورہا تھا۔ دوسری طرف پوری دنیا میں اشتراکیت اور عوامی انقلاب کی لہر نے نوجوانوں کو نیا سیاسی شعور دیا تھا۔''(۲)

ہندوستان میں بھی سیاسی بحران کے ساتھ ساتھ معاشی بحران نے جنم لیا۔ ہندوستان کا تعلیم یافتہ طبقہ اور متوسط طبقہ اس بحران سے بہت متاثر ہوا۔ روس میں سوشلسٹ انقلاب کی کامیابی نے ہندوستان کے مظلوم طبقہ کو بھی سوچنے پر مجبور کردیا۔ اسی دوران مزدوروں کا طبقہ بھی سرمایہ داروں کے مقابلے میں سینہ سپر ہونے لگا۔ اس طبقے کے وجود میں آنے سے قومی آزادی کو مزید تقویت ملی۔ جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد ہندوستان میں مزدوروں کی تحریک صحیح معنوں میں شروع ہوئی۔ ہندوستانی نوجوانوں کو روس کے خیالات سے روشناس ہونے کا موقع ملا تو انھوں نے روس کے اشتراکی خیالات کو اپنے ملک میں عام کیا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

''ملک کے اندر کسانوں اور مزدوروں میں ایک خاص احساس ترقی پذیر ہوا، جس کی وسعت اور شدت یہاں تک پہنچی کہ ۱۹۳۵ء میں آل انڈیا کانگریس کے پلیٹ فارم سے بھی اشتراکی اصولوں کی آواز اٹھی۔''(۳)

۱۹۳۰ء کے لگ بھگ اقتصادی حالات کی پیچیدگی اور روسی اشتراکی خیالات کی ترویج کے نتیجے میں یہاں کے لوگوں کے رویوں میں گہری تبدیلی آنے لگی۔ پروفیسر آل احمد سرور لکھتے ہیں:

''جن گذشتہ قدروں کے سہارے برسوں سے سکون اور اطمینان کی زندگی گزر رہی تھی۔ خود بخود کھوکھلی معلوم ہونے لگیں۔ ہندوستان کی بڑھتی ہوئی آبادی قدرت کے سارے وسائل کے باوجود ویسی ہی ننگی بھوکی رہی۔ جتنی ننگی بھوکی ہمیشہ سے تھی۔ لیکن پہلے اپنے تن پر کپڑا دیکھ کر ہم سمجھ لیتے تھے کہ سب کا تن ڈھکا ہوا ہے۔ لیکن اب ہمارا جنون اس قدر بڑھ گیا کہ سب کو کپڑا نہیں پہنا سکتے تو اپنے کپڑے بھی نوچ لینے کو جی چاہتا ہے۔''(۴)

اس طرح کے خیالات اس زمانے میں تقریباً سب شاعروں، ادیبوں اور نقادوں کے تھے۔ ہندوستان کی فضا میں سیاسی آزادی کے ساتھ ساتھ معاشی آزادی کا نعرہ بھی گونجنے لگا۔ ہوشعبۂ زندگی میں اشتراکی خیالات ونظریات پیش کیے جانے لگے۔ فیض جیسے حساس شاعر اپنے زمانے کے سیاسی انتشار اور معاشرے کے بحران سے بے نیاز نہیں رہ سکتے تھے۔ وہ ان حالات سے گہرے طور پر متاثر ہوئے۔ انھیں یوں محسوس ہونے لگا کہ دل ودماغ کے سبھی راستے بند ہوگئے ہیں۔ ۳۴-۱۹۳۳ء کے بعد فیض نے دیدۂ دل وا کرکے بدلتے ہوئے عالمی حالات کا مشاہدہ کرنا شروع کیا اور اپنے خیالات کا اظہار اپنی بیشتر نظموں۔ مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ۔ رقیب سے۔ سوچ۔ میرے ندیم اور یاس میں کیا ہے۔ یہ نظمیں زندگی اور معاشرے کے بارے میں ان کے بدلے ہوئے رویے کی غماز ہیں۔ فیض احمد فیض نے رومان

کے اثر سے نکل کر اپنی گردوپیش کی تغیر آشنا زندگی کا جائزہ لیا۔ انھوں نے زندگی اور اس کے مسائل پر گہری نظر ڈالی۔ غریب عوام کے مسائل نے انھیں خوابِ عشق سے جھنجھوڑ کر بیدار کیا۔ اور وہ حسن کی دل کشی کو بھول کر زمانے کے دکھ درد کو شدت سے محسوس کرنے لگے۔

اس معنوی توسیع کے حوالے سے معروف کشمیری نژاد امریکی شاعر آغا شاہد علی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

> ''اردو شاعری میں محبوب سے مراد دوست، عورت اور خدا ہوسکتا ہے۔ فیض نے نہ صرف اس مفہوم کو قائم رکھا بلکہ اس کو انقلاب کے تصور تک وسیع کر دیا۔ انقلاب کا انتظار کرنا بھی شاید محبوب کے انتظار کی طرح ایک جاں گسل اور مخمور کن کیفیت اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔''(۵)

نئی شاعری کی ایک اہم خصوصیت حسن وعشق کے بارے میں تبدیل شدہ رویے سے نمایاں ہوتی ہے۔ نئے شعرا نے روایتی حسن وعشق کے تصور سے انحراف کیا۔ نئے شعرا عشقیہ تصورات میں جنس کو بھی شامل کرتے ہیں۔ اس لیے جنسی آگہی اور اس سے وابستہ نفسیاتی مسائل کا شعور ان کے یہاں عام ہے۔ فیض کا عشق رومانی انداز کا ہے۔ وہ محبوب کو مثالی درجہ عطا کرتے ہیں۔ اور اس کے بدن اور لباس کے رنگ و بو کو بھی ارفع سطح پر لے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ عشق جمالیات کا درجہ حاصل کرتا ہے۔ نئے شعرا عشق کے جنسی پہلو کو نظر انداز کرنے کے روادار نہیں۔ وہ بے باکی اور صفائی سے عورت کے بدن کی جنسی لطافتوں کو بیان کرتے ہیں اور ساتھ ہی ان نفسیاتی الجھنوں کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ جو تہذیبی موانعات کی بنا پر جنسی گھٹن سے پیدا ہوتی ہے۔ فیض کے یہاں البتہ عشق ایک داخلی تجربہ ہے۔ وہ عشق کے داخلی تجربات کو شخصی آنچ کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ وہ رسمی یا روایتی طور پر عشق نہیں کرتے بلکہ لالہ عزاروں سے شدید جذباتی وابستگی کو محسوس کرتے ہیں۔ یہ جذباتی وابستگی ان کی پوری داخلی شخصیت کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ وہ ذہنی طور پر بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ نتیجے میں صنف نازک سے ان کا تعلق انھیں نفسیاتی الجھنوں سے بھی آشنا کرتا ہے۔ وہ مختلف النوع کیفیات، مثلاً خوشی، غم، کرب، اندوہ، حیرت، لذت، دیوانگی سے دوچار ہوتے ہیں۔ یہ وہ جذباتی اور نفسیاتی کیفیات ہیں جو انسانی شخصیت سے گہرے طور مربوط ہیں اور ہر دور میں اسے اضطراب سے آشنا کرتی رہی ہیں۔ فیض نے ان کیفیات کو گہرے فن کارانہ شعور سے پیش کیا ہے۔ ان میں ندرت کا پہلو ابھرتا ہے۔ اس لیے ہم یہ بات بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ فیض کی عشقیہ شاعری انسانی معنویت سے مالا مال ہے۔ اور یہ ہر دور کے انسان کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ ان کے یہاں عشق میراجی یا راشد کی طرح جنسی آگہی سے متعلق نہیں۔ لیکن یہ کیا کم ہے کہ عشق ان کے یہاں ایک جمالیاتی تجربہ بن جاتا ہے۔ اور قاری کی رگ وپے میں چراغاں کر دیتا ہے۔ عشق کے ضمن میں خاص طور پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ اسے صرف عورت کے حسن و جمال کی کشش تک محدود نہیں کرتے بلکہ وہ اسے دل عاشق کی ایک ازلی جستجو میں ڈھالتے ہیں۔ انسان ہمیشہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہے۔ وہ نادیدہ منزلوں کے خواب دیکھتا ہے۔ اور انسان کا یہی ذہنی رویہ تخلیقیت کا نقطۂ آغاز ہے۔ فیض کے یہاں عشق کے مختلف عناصر نظر آتے ہیں۔ یہ ان کے یہاں زندگی کی صداقت، حسن اور تلاش کا رمز بن جاتا ہے۔ ساتھ ہی یہ ان کے لیے ایک تخلیقی محرک بھی بن جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ فیض کا عشقیہ کلام محض ان کے دور ہی تک محدود نہیں۔ یہ عصر

کے حصاروں کو پھاند کر نئے ذہن کے لیے بھی معنویت رکھتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

کسی کا درد ہو کرتے ہیں ترے نام رقم
گلہ ہے جو بھی کسی سے تیرے سبب سے ہے

☆

جب تجھے یاد کرلیا صبح مہک مہک اٹھی
جب ترا غم جگا لیا رات مچل مچل گئی

☆

اپنی تکمیل کررہا ہوں میں
ورنہ تجھ سے تو مجھ کو پیار نہیں

☆

سہل یوں راہ زندگی کی ہے
ہرقدم ہم نے عاشقی کی ہے

فنی سطح پر دیکھیں تو لفظ اور جملے کی ساخت کے علاوہ بھی قرأت متن کی معنویت میں اضافے کو موجب بنتی ہے۔ تفہیم شعر کے حوالے سے فارسی میں ایک اصطلاح ہے ''عاطفہ''۔ اس میں کئی چیزیں شامل ہوتی ہیں:

(۱) جذبہ (۲) تخیل (۳) لہجہ (۴) اسلوب (۵) معانی

کسی شعر کی مختلف انداز سے قرات، اس کے معنی میں اضافہ کر دیتی ہے۔ کیوں کہ لہجہ اپنے اندر معانی کے کئی جہان لیے ہوتا ہے۔ فیض کے بہت سے اشعار ایسے ہیں جن کو اگر لہجہ بدل کر پڑھا جائے تو یہ کثیر المعانی کی زمرے میں آتے ہیں۔ الفاظ و معانی کی یہ کثرت بہت کم شاعروں کے حصے میں آئی ہے۔

فیضؔ کی نظم 'رقیب سے' ایک تاثراتی نظم ہے۔ جس میں خلاقانہ فن کاری کا ایسا خوب صورت امتزاج پایا جاتا ہے کہ نظم قاری کے دل میں اپنا نقش ثبت کر دیتی ہے۔ فیض نے لفظوں کے تصور سے آرٹ (Art) اور کرافٹ (Craft) کے فرق کو جاننے اور سمجھنے کے لیے فن کارانہ تجسیم کا انداز اپناتے ہوئے اسے تخیل کی بلند سطح پر لا کھڑا کیا ہے۔ اردو شاعری میں رقیب کا روایتی تصور موجود ہے یعنی رقیب عاشق کی راہ کا کانٹا ہے۔ مگر فیضؔ نے پہلی بار ''رقیب'' کو دوہری معنویت سے آشنا کیا۔ شاعر 'رقیب کو محبوب کی ذات سے نسبت میں اسے اپنا ہم سفر سمجھتا ہے اور وہ اُس سے یوں مخاطب ہے:

تجھ سے کھیلی ہیں وہ محبوب ہوائیں جن میں
اس کے ملبوس کی افسردہ مہک باقی ہے
تجھ پہ بھی برسا ہے اس بام سے مہتاب کا نور
جس میں بیتی ہوئی راتوں کی کسک باقی ہے

ان اشعار میں نئی معنویت کی وسعت اور لہجے کی فراوانی ہے۔ اگر لب ولہجہ تبدیل کر کے ان اشعار کو پڑھیں تو

ہمیں اس میں الفاظ ومعانی کی گہرائی اور کثیر الجہتی نظر آتی ہے۔ہمیں یہاں طنز، رشک اور شکست نظر آرہی ہے۔ایک طنز ہے، حسرت ہے ،خواہش ہے، رشک ہے اور شکست کی آواز نے بھی اپنے لیے جگہ بنالی ہے۔''تجھ سے کھیلی ہیں وہ محبوب ہوائیں جن میں'' کو کئی انداز سے پڑھا جاسکتا ہے:

تجھ سے کھیلی ہیں وہ محبوب ہوائیں جن میں

(۱) کیا تجھ سے واقعی کھیلی ہیں؟ ایسا نہیں ہوسکتا۔

(۲) تجھ سے کھیلی ہیں، واقعی تجھ سے کھیلی ہوں گی۔

(۳) حیرت ہے، تجھ سے کھیلی ہیں۔

(۴) ہم سے تو نہیں کھیلی، تجھ سے کھیلی ہیں۔

(۵) تجھ سے کھیلی ہیں، ہوسکتا ہے تجھ سے کھیلی ہوں۔

(۶) تجھ سے کھیلی ہیں، تو مجھے کیوں بتا رہے ہو۔

(۷) تجھ سے کیوں کھیلی ہیں؟

فیض کے مجموعے ''دستِ صبا'' میں ایک نظم ''دو عشق'' بھی اپنے اندر معنویت کا ایک جہاں لیے ہوئے ہے ۔اس نظم میں بیک وقت اتنی خوبیاں اور معنویت پوشیدہ ہے کہ ایک ایک پرت کھولتے جائیں نئے نئے معانی اپنا وجود لے کر باہر آجاتے ہیں:

تنہائی میں کیا کیا نہ تجھے یاد کیا ہے
کیا کیا نہ دلِ زار نے ڈھونڈی ہیں پناہیں

''تنہائی میں کیا کیا نہ تجھے یاد کیا ہے'' اس مصرعے میں ''کیا کیا'' کی تکرار سے سوچ وفکر کو کئی نئی راہیں دکھادی ہیں۔اگر اس مصرعے کے دو حصے ''تنہائی میں کیا کیا'' اور ''نہ تجھے یاد کیا ہے'' کرکے پڑھیں تو اس کے لب ولہجے میں کتنا صاف اور واضح فرق محسوس ہوتا ہے۔اسی طرح دوسرے مصرعے میں بھی ''کیا کیا'' کی تکرار نے کئی پوشیدہ معانی کو وجود کا پیکر دے دیا ہے۔''کیا کیا'' پڑھ کر بعد میں یہ پڑھیں ''نہ دلِ زار نے ڈھونڈی ہیں پناہیں'' تو اس مصرعے میں کتنی خوبصورتی کشش اور وسعتِ معانی ہے۔

''زنداں نامہ'' کی نظم ''ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے'' کا ایک شعر اپنے اندر لب ولہجے کے کتنے زاویے لیے ہوئے ہے اور اس کے کتنے شاندار ودلکش معانی نکلتے ہیں:

قتل گاہوں سے چن کر ہمارے علَم
اور نکلیں گے عشاق کے قافلے

(۱) اور قافلے بھی نکلیں گے۔

(۲) کیا یہ ہوسکتا ہے کہ اور قافلے نکلیں؟

(۳) اور قافلے نہیں نکلیں گے۔

(۴) یہ قافلے جو نکل رہے ہیں علم چن کر نکلیں گے۔

(۵) اپنے علم نہیں ہیں، جو ہمارے علم چنیں گے۔

(۶) ہمارے علم چنے بغیر قافلے نہیں نکل سکتے۔ (مجبوری کا عالم)

(۷) ہمارے علم چنے بغیر قافلے نہیں نکلیں گے۔ (چننے کا شوق)

زبان و بیان کے حوالے سے فیض کی معنویت کے کئی نئے در ابھی وا ہونے ہیں۔ جو مستقبل کے ناقدین اور محققین کو ہمیشہ دعوت فکر دیتے رہیں گے۔

حوالہ جات

۱۔ وزیر آغا، اردو شاعری کا مزاج ، (لاہور: اکادمی پنجاب ٹرسٹ، مارچ ۱۹۵۸ء)، بار اول، ص ۴۲۰

۲۔ خلیل الرحمٰن اعظمی، اردو میں ترقی پسند تحریک ، (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۰۸ء، ص ۳۲

۳۔ سید عبداللہ، اردو ادب کی ایک صدی، (دہلی: چمن بک ڈپو، اردو بازار، س ن)، ص ۱۰۲

۴۔ آل احمد سرور، نئے اور پرانے چراغ، (دہلی: حالی پبلشنگ ہاؤس، کتاب گھر، دسمبر ۱۹۴۶ء)، ص ۱۵

5. Agha, Shahid Ali. The True Subject: The poetry of Faiz Ahmad Faiz , Grand Street , Vol 9, No 2 (Winter , 1990), pp.132